41

جماعت کے ہر فرد کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ اس کی زندگی کے تمام کاموں میں سے سب سے اہم کام تبلیغ و اشاعتِ اسلام ہے

(فرمودہ 4؍دسمبر 1953ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

"گزشتہ جمعہ میں مَیں نے تحریک جدید کے نئے سال کا اعلان کیا تھا۔ اُس وقت میں نے وقت کی تعیین نہیں کی تھی۔ مغربی اور مشرقی پاکستان کے وعدے کس تاریخ تک مرکز میں آ جانے چاہییں۔ آج میں عارضی طور پر مغربی پاکستان کے لیے 15 فروری کی تاریخ مقرر کرتا ہوں اور مشرقی پاکستان کے لیے آخر مارچ کی تاریخ مقرر کرتا ہوں۔ یعنی ان تاریخوں تک ان علاقوں سے وعدے مرکز میں پہنچ جانے چاہییں۔ اگر بعد میں صیغہ کی سفارش کے مطابق اس میعاد کو بڑھانا پڑا تو بڑھا دیا جائے گا۔

میں جیسا کہ پچھلے سال کہہ چکا ہوں اور اس سال بھی میں نے کہا ہے تحریک اپنے نئے نام کی وجہ سے کوئی نئی چیز نہیں بن جاتی بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے ہر مسلمان کو توجہ دلائی ہے اور جو کام کرنا خدا تعالیٰ نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے قرآن کریم نے امتِ محمدیہ

کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ اُس کا ہر فرد دوسرے لوگوں کو خیر کی طرف بلاتا ہے 1۔ اور اِس میں شبہ ہی کیا ہے کہ سب سے بڑی خیر قرآن کریم اور اسلام ہے۔ لوگ تو محض اپنے تعلق کی وجہ سے ایک ناقص چیز کو بھی اچھا سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ پھر کتنا افسوس ہوگا مسلمانوں پر کہ وہ اپنے تعلق کی بناء پر اچھی چیز کو بھی اچھا نہ سمجھیں۔

ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے دربار کے ایک حبشی غلام کو ایک ٹوپی دی اور اُسے ہدایت کی کہ تمہارے خیال میں جو سب سے زیادہ خوبصورت بچہ ہو یہ ٹوپی اُس کے سر پر رکھ دو۔ وہ غلام سیدھا اپنے بچہ کے پاس گیا اور اُس نے وہ ٹوپی اُس کے سر پر رکھ دی۔ اِس پر سب لوگ ہنس پڑے کیونکہ اُس کا بیٹا کالے رنگ کا تھا۔ اُس کی شکل بہت بدنما تھی، اُس کی آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں، بال چھوٹے اور کنڈلوں والے تھے۔ دوسرے بچے سفید رنگ کے تھے۔ اُن کے نقش نازک اور خوبصورت تھے۔ لیکن اُس غلام نے ٹوپی پہنائی تو اپنے بدشکل بچہ کو۔ بادشاہ نے کہا میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ یہ ٹوپی اُس بچہ کو پہناؤ جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ خوبصورت ہو۔ مگر تم نے یہ کیا کیا کہ ایک بدشکل کو یہ ٹوپی پہنا دی؟ اُس غلام نے کہا بادشاہ سلامت! آپ نے ٹوپی میرے ہاتھ میں دی تھی اور کہا تھا کہ تمہارے نزدیک جو بچہ خوبصورت ہے یہ ٹوپی اُسے پہنا دو۔ اور مجھے یہی بچہ سب سے زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔

اِس واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تعلق کی وجہ سے بھی کسی چیز میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے۔ حُسن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (1) ذاتی (2) اضافی۔ ایک حُسن تو ایک پینٹر اور نقاش کے نقطہ نگاہ میں ہوتا ہے۔ وہ ایک چیز کو ایسا حسن دینا چاہتا ہے کہ دنیا کے اکثر افراد اسے حسین سمجھ لیں۔ لیکن ایک حُسن وہ ہے جو تعلق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً خاوند کے نزدیک سب سے زیادہ خوبصورت بیوی اسکی اپنی بیوی ہوگی۔ اگر یہ جھگڑا چل پڑے کہ فلاں کی بیوی خوبصورت ہے اور میری بدصورت ہے۔ تو دنیا سے امن اور تقویٰ اُٹھ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت ایسی بنائی ہے کہ ایک حُسن اُس کی نظر میں اُس کے تعلق کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اِس سے دنیا کا امن قائم رہتا ہے۔ پس بیوی جو خاوند کی خدمت کرتی ہے، اُس کے گھر کو سنبھالتی ہے، اُس کے بچہ کی ماں ہوتی ہے وہی اُس کی نگاہ میں خوبصورت ہوتی ہے۔ خاوند مصوروں کے نقطہء خیال کو نہیں دیکھتا۔

وہ فطرت کو دیکھتا ہے اور فطرت اپنی بیوی کو ہی حسین دکھاتی ہے۔ پس حُسن دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ذاتی اور دوسرا اضافی۔ یعنی وہ حُسن جو تعلق کی وجہ سے نظر آجاتا ہے۔ مثلاً ایک بچہ ہو وہ چاہے کتنا ہی بدصورت ہو اُس کی ماں اُس سے پیار کرتی ہے اور کہتی ہے "واری جاؤں صدقے جاؤں" میں تیرے لئے اپنی جان قربان کر دوں۔ حالانکہ دوسرے لوگوں کو اُسے دیکھ کر بعض دفعہ گھن آجاتی ہے۔ ایک بچہ رو رہا ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ چاہتے ہیں کہ اس کا سر پھاڑ دیں۔ لیکن اُس کی ماں یہی کہتی ہے۔ واری جاؤں، صدقے جاؤں، آ، میں تمہیں فلاں چیز دوں، فلاں چیز دوں۔ یہ حُسن کیا ہے؟ یہ حُسنِ اضافی ہے۔ یعنی اپنا بچہ ہونے کے احساس نے اُسے خوبصورت کر کے دکھا دیا۔

زلزلے کے ایام میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام عارضی طور پر باغ میں جا کر ٹھہرے۔ تو اتفاقاً مولوی عبدالکریم صاحب کی جو جھونپڑی بنائی گئی وہ پیر افتخار احمد صاحب مرحوم کی جھونپڑی کے ساتھ تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب اور پیر افتخار احمد صاحب شہر میں بھی قریب قریب رہتے تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب مسجد مبارک کے اوپر والے کمروں میں رہتے تھے اور مسجد کے نیچے ایک دو کوٹھڑیاں تھیں جن میں پیر افتخار احمد صاحب رہتے تھے۔ لیکن بہرحال وہاں کچھ نہ کچھ فاصلہ تھا لیکن باغ میں جا کر فاصلہ بالکل نہ رہا۔ پیر صاحب کے بچے عام طور پر زیادہ روتے تھے لیکن پیر افتخار احمد صاحب بڑے مزے سے انہیں کھلاتے رہتے تھے۔ ہمارے ملک کے عام دستور کے خلاف پیر صاحب بچے خود کھلایا کرتے تھے اور انکی بیوی بچوں کی طرف بہت کم توجہ دیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ پیر صاحب کے بچے رو رہے تھے۔ پیر صاحب انہیں تھپکیاں دے کر چُپ کرا رہے تھے کہ مولوی عبدالکریم صاحب نے کہا پیر صاحب! میرا تو جی چاہتا ہے کہ اس بچہ کو باپ سے چھین کر زمین پر پٹخ دوں۔ یہ اتنا شور مچاتا ہے کہ میرا خون کھولنے لگ جاتا ہے۔ اور میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اِس شور کو کس طرح برداشت کر لیتے ہیں؟ پیر صاحب نے کہا میری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ بچہ میرا ہے، میں اسے کِھلا رہا ہوں اور مجھے تو کوئی غصہ نہیں آرہا لیکن آپ کو غصہ کیوں آرہا ہے۔ اب وہ شور بھی انہیں اچھا لگتا تھا کیونکہ وہ اُن کا اپنا بچہ تھا۔ غرض اپنی چیز کا بھی ایک حُسن ہوتا ہے۔ اور یہ حُسن اضافی کہلاتا ہے۔ یعنی یہ حُسن دوسروں کو نظر آئے یا نہ آئے تعلق رکھنے والوں کو نظر آتا ہے۔

اب ایک مسلمان کے لیے یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ اُس کے مذہب کا حُسن اضافی بھی ہے اور حُسن حقیقی بھی ہے۔ یعنی وہ چیز دوسروں کو بھی اچھی نظر آتی ہے۔ اور پھر وہ حُسن اضافی بھی رکھتی ہے یعنی ہر مسلمان کو اپنے تعلق کی وجہ سے وہ حسین نظر آنی چاہیے۔ گویا اس کے لیے کسی جدوجہد اور کوشش کی ضرورت نہیں وہ چاروں طرف سے مذہب کے حُسن میں لپٹا ہوا ہے۔ اگر غیر مذاہب والے اپنے مذہب کے لیے جو اپنے اندر خرابی رکھتا ہے اور اپنی ذات میں خوبصورت نہیں۔ صرف حُسنِ اضافی کی وجہ سے قربانی کرتے ہیں تو کتنے تعجب کی بات ہوگی کہ مسلمان جس کا مذہب حُسنِ اضافی بھی رکھتا ہے۔ اور حُسنِ ذاتی بھی، وہ اس کے لیے قربانی نہ کرے۔ ایک شخص کی جیب میں رنگا رنگ کے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ ان کو اپنا ہونے کی وجہ سے بچانا چاہتا ہے۔ جیسے بچے ہوتے ہیں وہ خوبصورت پتھروں کی وجہ سے آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ اور ایک شخص کی جیب میں ہیرے ہوتے ہیں۔ ان میں حُسنِ ذاتی بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ ہیرے ہر ایک کو اچھے لگتے ہیں اور حُسنِ اضافی بھی ہوتا ہے۔ یعنی اپنی ذات میں بھی وہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اور جس کی ملکیت میں وہ ہوں اس کے لیے وہ حُسنِ اضافی بھی رکھتے ہیں۔ وہ یونہی پڑے ہوں تب بھی وہ قیمتی ہیں اور کسی کے پاس ہوں تب بھی قیمتی ہیں۔ اب کیا کوئی عقلمند انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اول الذکر تو پتھروں کی حفاظت کرے گا لیکن دوسرا شخص ہیروں کی حفاظت نہیں کرے گا؟

پس مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسے مقام پر کھڑا کیا ہے کہ وہ مقام دوسروں کے مقام سے نرالا ہے۔ علاوہ اس کے کہ اسلام اُس کا اپنا مذہب ہے اور اُس کے لیے حُسنِ اضافی رکھتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں بھی ایک حسین چیز ہے اور دوسروں کے لیے بھی اس کا حُسن اپنے اندر کشش رکھتا ہے۔ جب رسول کریم ﷺ نے دعویٰ کیا تو مکہ والوں نے آپ کا مقابلہ کیا۔ ایسے لوگوں نے بھی اپنے وقت کے انبیاء کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ لوگ کیوں مقابلہ کرتے تھے؟ قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ کہتے تھے کیا ہم اُس مذہب کو چھوڑ دیں جس پر ہمارے آباؤاجداد قائم تھے<u>2</u>۔ گویا وہ ذاتی حُسن کو نہیں دیکھتے تھے۔ بلکہ صرف حُسنِ اضافی اُن کے پیشِ نظر تھا۔ اور حُسنِ اضافی بھی اتنا پسندیدہ ہوتا ہے کہ باوجود اس مذہب کے خراب ہونے کے ان لوگوں نے اپنے مذہب کو چھوڑنا نہ چاہا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اگر تمہارے آباؤاجداد بیوقوف ہوں گے تو کیا پھر بھی تم اس

مذہب کو نہیں چھوڑو گے 3۔ غرض باوجود اِس کے کہ وہ جاہلانہ باتیں تھیں ان لوگوں نے ان کے لیے اپنا مال، وطن اور عزیز قربان کئے تاوہ چیزیں جو محض جاہلانہ ہیں لیکن ان کی ہیں بچ جائیں۔ لیکن افسوس ہے ایک مسلمان پر کہ وہ اس چیز کے لیے بھی کوئی کوشش نہیں کر رہا جو حُسنِ اضافی بھی رکھتی ہے اور اپنی ذات میں بھی اچھی ہے۔

عیسائی لوگ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے دنیا کے کناروں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آج سے پچیس تیس سال پہلے میں نے ایک رسالہ میں پڑھا تھا کہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے پادری بشمولیت چھوٹے پادریوں کے یعنی اُن لوگوں کے جو مدرس کے طور پر، ڈاکٹر کے طور پر یا نرسوں کی شکل میں مقرر کر دیے جاتے ہیں۔ 56 لاکھ ہیں۔ اب اس سے اندازہ لگالو کہ اگر چرچ کے ساتھ تعلق رکھنے والا کام یعنی تبلیغ، تصنیف، تدریس، ڈاکٹر اور نرسوں کا کام 56 لاکھ آدمی کر رہا ہے تو ان پر کتنا روپیہ خرچ ہو رہا ہوگا۔ ہمارے ملک کے گزاروں اور تنخواہوں سے اُن ملکوں کے گزارے اور تنخواہیں بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے ملک میں پچاس ساٹھ روپے ماہوار پر ایک آدمی رکھا جاسکتا ہے۔ لیکن امریکہ میں چھوٹی سے چھوٹی تنخواہ 120 ڈالر یعنی چار سو روپیہ ماہوار ہے۔ اگر اس سے کم تنخواہ دی جائے تو حکومت اس پر مؤاخذہ کرتی ہے۔

اِسی طرح انگلستان میں اَن سَکِلڈ لیبر (Unskilled Labour) پر دو تین پونڈ ہفتہ وار لگ جاتے ہیں۔ جو ہمارے ملک کے لحاظ سے سَو سَوا سَو روپیہ بنتا ہے۔ اور فنی مزدور پر تو سات آٹھ پاؤنڈ ہفتہ وار خرچ آجاتا ہے۔ یعنی ان کی تنخواہ تین تین چار چار سو روپیہ ماہوار ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں ہائی اسکول کے ایک ہیڈ ماسٹر کی تنخواہ تین یا چار سو روپیہ ماہوار ہوتی ہے۔ لیکن اُن کے ایک مزدور کی اِس قدر تنخواہ ہوتی ہے۔ اور اگر اُن ملکوں میں ایک مزدور کی اِس قدر تنخواہ ہوتی ہے تو تم خود اندازہ لگالو کہ ان 56 لاکھ مشنریوں، مصنفوں، ڈاکٹروں، ٹیچروں، نرسوں، خدمت گاروں پر کیا خرچ آتا ہوگا۔ اگر کم از کم ایک سو روپیہ ماہوار خرچ فی فرد بھی لگا لیا جائے تو 56 کروڑ روپیہ ماہوار خرچ آجاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ خرچ اِس سے کہیں زیادہ ہے۔ جو صیغے عیسائیت کی ترقی کے لیے کام کر رہے ہیں یہ تمام صیغے چاہے وہ ڈاکٹر ہوں، نرسیں ہوں، اسکول ہوں، کالج ہوں، سوال وجواب لکھانے والے ہوں یا سبق یاد کرانے والے ہوں۔ مثلاً مسیح کون تھا؟ اور وہ کیوں آیا؟ جیسے

ہم نے دیہاتی مبلغین رکھے تھے۔ لٹریچر تقسیم کرنے والے ہوں جن کا کام پمفلٹ تقسیم کرنا ہوتا ہے۔ ان کا مقابلہ صرف ہماری جماعت کر رہی ہے۔ باقی سارے مسلمان حکومتوں، بادشاہتوں اور وزارتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ صرف ہماری ہی جماعت ہے جس کی بادشاہت صرف اسلام ہے، جس کی حکومت صرف اسلام ہے۔ جس کی عزت صرف اسلام ہے۔

تعجب کی بات ہے کہ وہ مسلمان جو حکومتوں، بادشاہتوں اور وزارتوں کے متلاشی ہیں اور رات دن انہی کے پیچھے مارے مارے پھر رہے ہیں ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ تم سیاسی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ جہاں تک یہ سوال ذہنیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ہر ایک شخص انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے۔ کیا ایک مزدور نہیں چاہتا کہ اُس کی حالت پہلے سے اچھی ہو؟ کیا اس خواہش اور جذبہ کی بناء پر اُسے باغی قرار دیا جائے گا؟ کیا اُسے حکومت کا تختہ اُلٹنے والا قرار دیا جائے گا؟ کیا ایک ڈسپنسر نہیں چاہتا کہ اس کی تنخواہ بڑھ جائے اور ڈاکٹر اُس پر زیادہ سختی نہ کرسکیں؟ اس قسم کا ذہنی انقلاب ہر ایک شخص میں ہوتا ہے۔ پس ہمارا یہ خواہش کرنا کہ اسلام کی تعلیم دنیا میں پھیلے اور تمام ادیان پر غالب آجائے سیاسی انقلاب نہیں۔ سیاسی انقلاب وہ ہوتا ہے جس کے لیے سیاسی تراکیب استعمال کی جائیں۔ پس جہاں تک ہماری یہ خواہش ہے کہ اسلام اور رسول کریم ﷺ کی تعلیم تمام دنیا پر غالب آجائے ہمیں اِس کا انکار نہیں۔ لیکن ایک ادنیٰ عقل والا بھی اسے سیاست نہیں کہہ سکتا۔ یہ ایک خالص مذہبی خواہش ہے یہ خواہش سیاسی تب بنتی ہے جب اس کے حاصل کرنے کے لیے سیاسی جتھے بنائے جائیں، سیاسی پارٹیاں بنائی جائیں تا حکومت پر قبضہ کیا جائے۔ تب اِس کا نام سیاست ہوگا۔ اِس سے پہلے یہ صرف مذہب ہے۔ پھر صرف مذہب ہی نہیں چاہتا کہ وہ دوسروں پر غالب ہو، فلسفہ بھی یہی چاہتا ہے۔ جب کوئی شخص فلسفہ پڑھتا ہے اور اقتصادی اور معاشی حالات کے ماتحت علم حاصل کرتا ہے تو وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ ان میں سے اچھی باتوں کو دنیا میں جاری کیا جائے۔

اِس خواہش کی بناء پر ہم اسے ایک فلسفی تو کہیں گے لیکن ایک انقلابی نہیں کہیں گے۔ جس طرح اسلام کے متعلق اِس قسم کی خواہش رکھنے والے کو ہم مذہبی کہیں گے انقلابی نہیں کہیں گے۔ اِسی طرح فلسفیانہ تجربوں کے ماتحت اقتصادی اور معاشی تغیر کی خواہش رکھنے والے کو ہم صرف

فلسفی کہیں گے۔ لیکن جب اس کے لیے جوڑ توڑ شروع ہوں گے اور اس کے لیے آئینی طریقے استعمال کیے جائیں گے تو ہم کہیں گے یہ آئینی سیاست ہے۔ اور جب یہ جوڑ توڑ غیر آئینی طریقوں سے ہوں گے تو ہم اسے غیر آئینی سیاست کہیں گے۔ لیکن منبع کے لحاظ سے وہ صرف فلسفہ ہوگا یا صرف مذہب ہوگا۔

غرض دوسرے لوگ کچھ کہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دنیوی حکومت نہیں چاہتے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہماری زندگیاں تبلیغ اور اشاعتِ اسلام میں لگ جائیں۔ باقی یہ کہ کسی جگہ احمدی زیادہ ہو جائیں اور جمہوریت کے لحاظ سے وہ زیادہ نمائندگی کا حق رکھتے ہوں تو یہ ہماری تحریک کا حصہ نہیں۔ یہ ایک اتفاقی حادثہ ہوگا۔ ہماری دلچسپی صرف اِس میں ہے کہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی تبلیغ پھیل جائے اور پھر اسلام تمام اَدیان پر غالب آجائے۔ جس طرح کہ وہ قدیم ایام میں غالب تھا بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر۔ اور اِسی کام کے لیے تحریک جدید کو جاری کیا گیا ہے۔ اور یہی کام ہر مسلمان پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ پس یہ تحریک کسی خاص گروہ سے مختص نہیں۔ بلکہ ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اِس میں حصہ لے۔ جو احمدی اِس تحریک میں حصہ نہیں لے گا ہم اُسے احمدیت اور اسلام میں کمزور سمجھیں گے۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں یہ خواہش نہیں کہ وہ اسلام کی خدمت اور احمدیت کی اشاعت کے لیے کچھ خرچ کرے اُس کا اسلام لانا یا احمدیت قبول کرنا محض بے کار ہے۔

میں نے جیسا کہ پہلے بھی بتایا ہے پہلے دَور والوں اور دوسرے دَور والوں میں مَیں نے فرق رکھا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ہیں۔ انیس سال کے بعد ان کے نام چھپوا کر لائبریریوں میں رکھے جائیں، جماعتوں کے اندر پھیلائے جائیں، خود ان کے پاس یادگار کے طور پر بھیجے جائیں تا وہ انہیں اپنی زندگی میں بطور یادگار رکھیں اور اپنے بعد اپنی نسلوں کے لیے یادگار کے طور پر چھوڑ جائیں۔

میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ پہلے لوگوں نے انتہائی قسم کی قربانی کی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جماعت کے بعض مردوں اور عورتوں نے اس تحریک میں اپنی پانچ پانچ چھ چھ ماہ کی آمد لکھوا دی تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ تحریک پہلے محدود عرصہ کے لیے تھی اور انہوں نے خیال کیا کہ چلو

اتنے سال ہم قربانی کرلیں۔ اب اسے ہمیشہ کے لیے کر دیا گیا ہے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ اُن کے لیے اتنی قربانی کرنا درحقیقت اب بوجھ ہے کہ اسے ہر شخص نہیں اٹھا سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ بغیر اولاد کے ہوں یا وہ اپنے اخراجات بہت کفایت سے کرتے ہوں۔ اُن کو مستثنیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ اگر چاہیں تو اپنی قربانی کو اس معیار پر رکھیں لیکن باقی لوگوں کے لیے جنہوں نے پہلے سالوں میں بہت زیادہ قربانی کی میری تجویز یہ ہے کہ وہ اپنے معیارِ قربانی کو گرا دیں۔ مگر یکدم گرانے سے چونکہ بجٹ کو نقصان پہنچے گا اس لیے وہ یکدم نہ گرائیں بلکہ ہر سال دس دس فی صدی کمی کرتے جائیں۔ میرے نزدیک موجودہ آمدنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص اپنی ایک ماہ کی آمد کا پچاس فی صدی دے دیتا ہے تو یہ ایک اچھی قربانی ہے کیونکہ اس کے ساتھ دوسرے چندے بھی ہیں جو فرضاً دینے پڑتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص اپنی ایک ماہ کی آمد کا نصف دے دیتا ہے مثلاً اُس کی سو روپیہ ماہوار آمد ہے تو پچاس روپیہ وعدہ لکھوا دے تو سمجھا جائے گا کہ اُس نے اچھی قربانی کی ہے۔ اور اگر وہ ایک ماہ کی پوری آمد یعنی سو کی سو روپے ہی بطور وعدہ لکھوا دے تو ہم سمجھیں گے کہ اس نے تکلیف اٹھا کر قربانی کی ہے۔ لیکن جنہوں نے پانچ پانچ یا چھ چھ ماہ کی آمدنیاں چندہ میں لکھوا دی ہیں وہ اگر اپنی قربانی کو آئندہ بھی اس معیار پر رکھیں تو وہ گھر کے نظام کو بگاڑنے والے ہوں گے۔ سوائے چند افراد کے کہ جن کے اخراجات محدود ہیں۔ عام حالات میں یہ اجازت ہے بلکہ میں یہ پسند کروں گا کہ ایسے لوگ اس سال دس فیصدی کے حساب سے اپنا چندہ کم کرتے جائیں۔ یہاں تک کہ چندہ ایک ماہ کی آمد کے برابر ہو جائے تا اتنے عرصے میں دَورِ دوم کو ترقی حاصل ہو جائے اور چندہ کی مقدار بڑھ جائے۔

پس ہر احمدی مرد اور ہر احمدی بالغ عورت کا فرض ہے کہ اس تحریک میں شامل ہو بلکہ بچوں میں بھی تحریک کی جائے اور رسمی طور پر انہیں اپنے ساتھ شامل کیا جائے۔ مثلاً اپنے وعدہ کے ساتھ اُن کی طرف سے بھی کچھ حصہ ڈال دیں۔ چاہے ایک پیسہ ہو، دو پیسے ہوں یا ایک آنہ ہو۔ اِس سے اُن کے دلوں میں تحریک ہوگی۔ بلکہ بجائے بچہ کی طرف سے خود وعدہ لکھوانے کے اُسے کہو کہ وہ خود وعدہ لکھوائے اِس سے اُس کے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ میں چندہ دے رہا ہوں۔

بعض لوگ بچوں کی طرف سے چندہ لکھوا دیتے ہیں لیکن انہیں بتاتے نہیں اِس سے پورا

فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ بچے کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ سوال کرتا ہے۔ جب تم اُس سے کہو گے کہ جاؤ تم اپنی طرف سے چندہ لکھواؤ تو وہ پوچھے گا چندہ کیا ہوتا ہے؟ اور جب تم چندہ کی تشریح کرو گے تو وہ پوچھے گا یہ چندہ کیوں ہے؟ پھر تم اُس کے سامنے اسلام کی مشکلات اور اُس کی خوبیاں بیان کرو گے۔ پس بچہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سوال کرتا ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اُن کے اندر نئی روح پیدا ہوگی اور بچپن سے ہی اُن کے اندر اسلام کی خدمت کی رغبت پیدا ہوگی۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ مغربی پاکستان کے لیے وعدوں کی آخری تاریخ 15 فروری ہوگی اور مشرقی پاکستان کے لیے میں آخر مارچ کی میعاد مقرر کرتا ہوں۔ ایسے غیر ممالک کے لیے جن میں ہندوستانی بکثرت آباد ہیں حسبِ دستور آخری اپریل تک کی میعاد ہے۔ اور جن ممالک میں ہندوستانی کثرت سے نہیں پائے جاتے اُن کے لیے وعدوں کی آخری میعاد 15 جون ہوگی۔ ان تاریخوں تک وعدوں کی لسٹیں آجانی چاہییں۔ مگر چونکہ بجٹ دسمبر میں بن جاتا ہے اس لیے تمام جماعتوں کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے وعدے 21 دسمبر تک بھجوادیں تا کہ اس پر آئندہ بجٹ کی بنیاد رکھی جاسکے۔

میں پہلے دَور والوں سے یہ کہتا ہوں۔ کہ وہ بجائے سُستی کے کہ میں نے اُن کے لیے نرمی پیدا کردی ہے، اپنے اندر چُستی پیدا کریں۔ اور ان میں سے ہر ایک، دو اَور آدمیوں کو تحریک کرکے اُن کے وعدے لکھوائے۔ اِس طرح امید ہے کہ دَورِ دوم کی اِتنی رقم ہو جائے گی کہ اس سے تبلیغ وسیع کی جاسکے۔ سرِ دست دفترِ دوم والوں کی قربانی کا معیار بہت کم ہے اور وصولی بھی بہت کم ہے۔ پچھلے دو سالوں کا لحاظ رکھا جائے تو وصولی 95,94 ہزار کی ہوتی ہے اور وعدے سوا ڈیڑھ لاکھ کے ہوتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ 95,94 ہزار کے ساتھ دنیا میں تبلیغ نہیں ہوسکتی۔ تحریک جدید کا سالانہ بجٹ کم سے کم ساڑھے چار لاکھ کا بنتا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ یہ کام 95 ہزار روپے سے نہیں ہوسکتا۔ اور موجودہ بجٹ سے بھی جو کام ہوتا ہے وہ بہت ناقص ہے۔ جب تک ہم اپنے مشنوں کا سائز کا بجٹ نہ بڑھائیں، انہیں کتابوں اور لٹریچر کی اشاعت کے لیے رقم نہ دیں، انہیں دَوروں کے لیے خرچ نہ دیں، تبلیغ وسیع نہیں ہوسکتی۔ ایک آدمی کو کسی غیر ملک میں بٹھا دینا اور اس

کوڈیڑھ دوسَو روپیہ ماہوار دے دینا اِس سے تبلیغ وسیع نہیں ہوسکتی۔ اِتنی رقم تو اُن ملکوں کے لحاظ سے ایک مبلغ کی خوراک کے لیے بھی کافی نہیں۔

ہم نے اگر تبلیغ کو وسیع کرنا ہے تو آہستہ آہستہ ہمیں مبلغوں کے اخراجات کو کم از کم اُن ملکوں کے مزدور کے برابر کرنا پڑے گا۔ اور انہیں کافی مقدار میں سائر اخراجات دینے پڑیں گے تا وہ ملک میں دَورے کرسکیں، لیکچر دے سکیں، کتب اور پمفلٹ شائع کرسکیں۔ اگر موجودہ مشنوں پر ہی ہم آئندہ تبلیغ کی بنیاد رکھیں اور سائر کے اخراجات کافی مقدار میں دیں تو موجودہ اخراجات سے دوگنے اخراجات کم سے کم ہمیں برداشت کرنے ہوں گے۔ اِس وقت ہمارا کل بجٹ ساڑھے چار لاکھ کا ہے۔ گویا ہم نو لاکھ روپے سے محدود طور پر تبلیغ کرسکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم یورپین طریق پر چلیں تو ہم موجودہ مبلغوں سے اٹھارہ لاکھ روپیہ خرچ کر کے کام لے سکتے ہیں۔ اگر ہم اٹھارہ لاکھ روپیہ تبلیغ کے لیے خرچ کریں تو ہمارے مبلغ دورے کر کے مختلف شہروں میں لیکچر دے سکتے ہیں۔ لیکچروں کے لیے ہال کرایہ پر لے سکتے ہیں، بڑے لوگوں سے مل سکتے ہیں، لٹریچر شائع کرنے اور اسے تقسیم کرنے کے ذریعہ تبلیغ کو وسیع کرسکتے ہیں۔ لیکن ہمارے موجودہ مبلغین تو نہایت محدود تعداد میں ہیں۔ کجا چھپن لاکھ اور کُجا دوسَو۔ گویا ہمارے مبلغین عیسائی مبلغین کا اٹھائیس ہزارواں حصہ ہیں۔ یعنی اٹھائیس ہزار روپے کے مقابلہ میں تمہاری حیثیت صرف ایک روپیہ کی ہے۔ لیکن پھر بھی اگر موجودہ مشنوں کو اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا جائے، اگر انہیں سائر اخراجات عمدگی سے دیئے جائیں تو وہ کئی گنا زیادہ کام کرسکتے ہیں۔ ہم عام طور پر ایک مبلغ کو چار پانچ پونڈ ماہوار تبلیغ کے لیے دیتے ہیں۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ کیا وہ اس رقم میں ملک کے وسیع دَورے کرسکتا ہے۔ وہ لٹریچر شائع کرسکتا ہے؟ وہاں تو ایک لیکچر کے لیے اِتنی رقم میں ایک دفعہ ایک ہال ہی کرایہ پر لیا جاسکتا ہے۔ پھر وہ اس جگہ تک پہنچے گا کس طرح؟ پھر انٹرسٹ رکھنے والوں کو لٹریچر کیسے مہیا کرے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اپنے مبلغین کو کم از کم سو سو پونڈ ماہوار سائر کے لیے دیں تو انہیں کسی حد تک آزادی نصیب ہوسکتی ہے کہ وہ ملک کے دَورے کریں، لیکچر دیں اور لٹریچر تقسیم کرسکیں۔ اُس دن کے لیے ہمیں تیار ہونا چاہیے اور یہ تیاری تبھی ہوسکتی ہے جب جماعت کا ہر فرد یہ محسوس کرے کہ اُس کی زندگی کے تمام کاموں میں سے سب سے اہم کام تبلیغ اور اشاعتِ اسلام ہے۔

اِس وقت ہمارے مشن زیادہ تر افریقن اور ایشیائی ممالک میں ہیں۔ کچھ مشن یورپین اور امریکن ممالک میں بھی ہیں۔ ہم نے ان مشنوں کی تعداد کو بڑھانا ہے۔ اور انہیں اِس قدر مضبوط کرنا ہے کہ ہم اسلام کو پھیلا سکیں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو جو بیج ہم نے پھینکا ہے وہ بھی رائیگاں جائے گا۔ تم جانتے ہو کہ جب تم کسی کھیت میں گندم بوتے ہو تو پھر اُس کی نگہداشت کرتے ہو، اُسے وقت پر پانی دیتے ہو۔ تب جا کر تم اس کھیت سے فصل حاصل کرتے ہو۔ لیکن اگر تم ایک ایکڑ میں بیس پچیس سیر دانے پھینک دو اور پھر اس میں ایک لوٹا پانی کا گرا دو۔ تو تمہارے بیس پچیس سیر دانے جو تم نے بیج کے طور پر پھینکے تھے وہ بھی ضائع ہو جائیں گے اور کسی فصل کی بھی تم امید نہیں کر سکو گے۔ اِس طرح اگر ہم نے تبلیغ کے اخراجات کو نہ بڑھایا تو موجودہ دو سو مبلغ بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اگر ان مبلغین کے لیے سامان بہم پہنچائے گئے تو ظاہر ہے کہ موجودہ حالت میں تو ہم ان کے لیے خوراک بھی مہیا نہیں کرتے۔ پس چاہیے کہ جماعت قربانی کے لیے تیار ہو جائے۔ ہر احمدی فرد ہر سیکرٹری اور پریذیڈنٹ اور ہر بارسوخ آدمی کا فرض ہے کہ وہ جماعت کے تمام افراد میں تحریک کر کے اُن سے تحریک جدید کے وعدے لے، ان وعدوں کی اطلاع مرکز کو دے اور پھر ان کی وصولی کے لیے پوری کوشش کرے۔ دَورِ اول سے دَورِ دوم کی طرف آنے کی وجہ سے تحریک جدید کو نقصان نہ پہنچے بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ ترقی کر جائے۔''

(المصلح 13 دسمبر 1953ء)

1: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (آل عمران:105)

2: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (البقرة:171)

3: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرة: 171)